

پہلی نظم حمد کی تشریح

یہ اشعار مشہور نعتیہ شاعر مظفر وارثی کے ہیں، جن میں شاعر نے اللہ تعالیٰ کی قدرت، موجودگی اور وحدانیت (ایک ہونے) کو نہایت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔

شعر 1: "کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے"

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود نہیں چل رہی۔

دن رات کا آنا جانا، سورج کا نکلنا، چاند کا چمکنا، ہواؤں کا چلنا، سمندروں کی روانی، پہاڑوں کی مضبوطی — یہ سب ایک منظم نظام کے تحت ہیں۔ ضرور کوئی ایسی ذات ہے جو اس پورے نظام کو چلانے والی ہے، اور وہ ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ یعنی یہ سارا نظام کائنات خالق حقیقی کے وجود کی گواہی دیتا ہے دوسرے مصرعے میں شاعر کہتا ہے

یہاں شاعر نے اللہ کی قدرت اور اس کی ماورائیت کو بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نگاہوں سے نظر نہیں آتا، کیونکہ وہ مادی وجود نہیں رکھتا۔ لیکن اس کی قدرت کے آثار ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ جب ہم پھولوں کی خوشبو، فطرت کی خوبصورتی، بارش، زندگی، اور کائنات کی ترتیب کو دیکھتے ہیں، تو ہر چیز اللہ کی موجودگی کی گواہی دیتی ہے۔ یعنی اگرچہ اللہ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا، مگر اس کی نشانیوں سے ہر جگہ اس کا احساس ہوتا ہے بہت خوب — یہ تمام اشعار ایک ہی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، وحدانیت، علم و اختیار، اور نظام قدرت کو نہایت خوبصورت شاعرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

شعر 2:

"تلاش اس کو نہ کرتوں میں، ہے وہ بدلتی ہوئی رتوں میں

جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے، وہی خدا ہے"

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ خدا کو پتھروں کے بتوں میں تلاش کرنا فضول ہے۔ وہ کسی مادی چیز میں بند نہیں۔ وہ تو قدرت کے نظام میں ظاہر ہے — موسموں کی تبدیلی، دن اور رات کا آنا جانا، سردی گرمی کا بدلنا، یہ سب اس کی موجودگی کی نشانیاں ہیں۔ یعنی اللہ کی قدرت فطرت میں جھلکتی ہے، اس لیے حقیقی ایمان یہی ہے کہ ہم اسے قدرت کے نظام میں پہچانیں۔

شعر 3:

"وہی ہے مشرق، وہی ہے مغرب، سفر کریں سب اس کی جانب
ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے، وہی خدا ہے"

تشریح:

اللہ تعالیٰ ہر سمت میں موجود ہے، مشرق بھی اسی کی ہے، مغرب بھی۔ دنیا کے تمام انسان اور مخلوقات کا سفر بالآخر اسی کی طرف
ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اللہ کی قدرت کا عکس ہر چیز میں جھلکتا ہے، جیسے آئینے میں اپنی صورت نظر آتی ہے، ویسے ہی کائنات کے
ہر ذرے میں خالق کی موجودگی اور اس کا نور دکھائی دیتا ہے۔

شعر 4:

"کسی کو سوچوں نے کب سراہا، وہی ہو جو خدا نے چاہا
جو اختیار بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے، وہی خدا ہے"

تشریح:

شاعر بیان کرتا ہے کہ انسان اپنی عقل و سوچ پر ناز کرتا ہے، لیکن حقیقت میں انسان کا اختیار محدود ہے۔ کامیابی یا ناکامی، خوشی
یا غم۔ سب کچھ اللہ کے فیصلے سے ہوتا ہے۔ جو انسان کے ارادوں پر قدرت کا پہرہ لگا دیتا ہے، تاکہ وہ صرف وہی کرے جو خدا
چاہتا ہے، وہی خدا ہے۔ یہ شعر تقدیر اور اختیار کے تعلق کو بیان کرتا ہے۔

شعر 5:

"نظر بھی رکھے، سماعتیں بھی، وہ جان لیتا ہے نیتیں بھی
جو خانہ لا شعور میں جگمگا رہا ہے، وہی خدا ہے"

تشریح:

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ صرف انسان کے اعمال ہی نہیں بلکہ نیتوں اور خیالات تک سے واقف ہے۔ یہاں شاعر
نے "خانہ لا شعور" سے مراد انسان کا دل یا باطن لیا ہے۔ یعنی وہ جگہ جہاں انسان کے چھپے ہوئے خیالات ہوتے ہیں۔ اللہ اسی
پوشیدہ دنیا میں بھی روشنی کی طرح موجود ہے، جو سب کچھ جانتا ہے۔

شعر 6:

"کسی کو تاج و وقار بخشے، کسی کو ذلت کے ہار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مہر قدرت لگا رہا ہے، وہی خدا ہے"
تشریح:

اللہ تعالیٰ ہی عزت و ذلت کا مالک ہے۔ کوئی بادشاہ بنے یا فقیر رہے، کوئی کامیاب ہو یا ناکام — یہ سب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ ہر انسان کی پیشانی پر گویا تقدیر کی مہر لگی ہے، اور وہ مہر خدا کی قدرت کا نشان ہے۔ یہ شعر ہمیں توکل، عاجزی اور قناعت کا درس دیتا ہے۔

شعر 7:

"سفید اس کا، سیاہ اس کا، نفس نفس ہے گواہ اس کا
جو شعلہ جہاں جلا رہا ہے، بجھا رہا ہے، وہی خدا ہے"
تشریح:

اللہ ہی روشنی اور تاریکی دونوں کا خالق ہے۔ دنیا کا ہر سانس، ہر ذرے کی حرکت، سب اس کی گواہی دیتے ہیں۔ وہی ہے جو زندگی کے چراغ روشن کرتا ہے اور وہی موت کے ذریعے بجھا دیتا ہے۔ یعنی زندگی اور موت، روشنی اور اندھیرا، کامیابی اور ناکامی — ہر چیز کا اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے

دوسری نظم نعت کے تمام اشعار کی تشریح

پہلا شعر:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو
تشریح:

شاعر اس شعر میں محبوبِ حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ یا حضرت محمد ﷺ کی ذات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا دل جس تمنا اور جذبے سے زندہ ہے، وہ تم ہی ہو۔ یعنی دل کی زندگی، سکون اور محبت سب تمہارے وجود سے قائم ہے۔ دنیا میں جہاں بھی ہم سانس لیتے ہیں، جہاں زندگی رواں دواں ہے، وہاں تمہارا جلوہ اور تمہاری قدرت جلوہ گر ہے۔ شاعر کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز تمہارے نور اور محبت سے قائم ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو نہ دل میں احساس ہوتا نہ دنیا میں زندگی کا مفہوم۔ یہ شعر محبت، عقیدت اور توحید کی اعلیٰ ترجمانی کرتا ہے۔

دوسرا شعر:

جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
اے رہنوردِ جاہ! اسری تم ہی تو ہو
تشریح:

یہاں شاعر واقعہٴ معراج کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ”ماسوا کی حد“ یعنی مخلوق کی حد سے مراد وہ مقام ہے جہاں کوئی مخلوق نہیں جاسکتی۔ شاعر کہتا ہے کہ جو اس حد سے آگے بڑھ گیا، یعنی وہ ذاتِ مقدسہ جو معراج کی شب سب مخلوقات کی حدوں سے آگے جا پہنچی، وہ تم ہی ہو۔ اے وہ ہستی جو اللہ کی بارگاہ تک پہنچی، تم ہی ہو۔ شاعر نے لفظ ”رہنوردِ جاہ“ استعمال کیا، یعنی یادِ الہی کے مسافر۔ یہ مدحِ رسالت ہے، جہاں شاعر نبی اکرم ﷺ کی روحانی بلندی، قربِ الہی اور ان کے مقامِ محمود کو بیان کر رہا ہے۔
تیسرا شعر:

گرتے ہوں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب! تم ہی تو ہو
تشریح:

اس شعر میں شاعر نبی کریم ﷺ کی شفاعت اور رحمت عامہ کا ذکر کر رہا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ جب بندے گناہوں کی وادی میں گرتے ہیں، تو تمہارے ہاتھ ہی ان کو تھام لیتے ہیں۔ "تاجدارِ یثرب" سے مراد حضور ﷺ ہیں، جو مدینہ منورہ کے سردار اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ شاعر عقیدت سے کہتا ہے کہ تم ہی وہ ہستی ہو جو گناہگاروں کو سہارا دیتی ہے، ان کی بخشش کی دعا کرتی ہے اور ان کو راہِ حق پر لاتی ہے۔ یہ شعر نبی کریم ﷺ کی شفاعت اور انسانیت پر ان کی شفقت و مہربانی کو واضح کرتا ہے۔

چوتھا شعر:

دنیا میں رحمتیں دو جہاں اور کون ہے

جس کی نظیر نہیں، وہ تم ہی تو ہو

تشریح:

یہ شعر نبی اکرم ﷺ کی بے نظیر رحمت اور مقام برتری کا اظہار ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا و آخرت میں اگر کوئی رحمتوں کا سرچشمہ ہے تو وہ تم ہی ہو۔ تمہارے جیسی کوئی مثال نہ پہلے تھی، نہ بعد میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: "و ما ارسلناک الا رحمة للعالمین" — یعنی "ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔" شاعر اسی قرآنی حقیقت کو شعری رنگ میں پیش کر رہا ہے۔ یہ شعر عقیدت، محبت اور احترامِ مصطفیٰ ﷺ کا حسین مظہر ہے۔

پانچواں شعر:

پھوٹا جو سینہ شبِ تارِ الست سے

اس نورِ اول کا اجالا تم ہی تو ہو

تشریح:

یہ شعر تخلیق نورِ محمدی ﷺ کے عقیدے پر مبنی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب ازل میں، "شبِ تارِ الست" یعنی تخلیق سے پہلے کے اندھیرے میں، نور کا پہلا چراغ روشن ہوا تو وہ نور تمہارا ہی تھا۔ اس نورِ اول سے ساری کائنات نے روشنی پائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا نور ساری مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا، اور تمام وجود اسی نور سے ظاہر ہوئے۔ یہ تصور صوفیانہ عقائد کا حصہ ہے، جہاں نبی ﷺ کو تخلیق کا مرکز اور سببِ وجود کائنات مانا جاتا ہے۔

چھٹا شعر:

جلتے ہیں جبرائیل کے پر جس مقام پر

اس کی حقیقتوں کے شناسہ تم ہی تو ہو

تشریح:

یہ شعر بھی معراجِ نبوی ﷺ کے حوالے سے ہے۔ شاعر بیان کرتا ہے کہ وہ مقام جہاں حضرت جبرائیلؑ کے پر جلنے لگے، یعنی وہ مقام جس سے آگے کوئی فرشتہ بھی نہیں جاسکتا۔ وہاں بھی صرف تم ہی پہنچے۔ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کا وہ بلند مقام ہے جہاں صرف انہیں قربِ الہی حاصل ہوا۔ "حقیقتوں کے شناسہ" کا مطلب ہے وہ ہستی جو حقیقتِ الہیہ کو پہچانتی ہے۔ شاعر اس شعر کے ذریعے حضور ﷺ کی روحانی بلندی، معرفتِ الہی اور مقامِ قربت کو ظاہر کرتا ہے جو کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں۔

ساتواں شعر:

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا

سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تم ہی تو ہو

تشریح:

اس شعر میں شاعر بیان کرتا ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں تمہارے لیے پیدا کی گئیں۔ قرآن میں بھی مفہوم آتا ہے کہ "لو لاک لما خلقت الافلاک" — یعنی "اے محبوب! اگر تم نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ کرتا۔" شاعر کہتا ہے کہ تمام مقاصد کا سب سے بڑا مقصد، تمام تخلیقات کا اصل سبب، تم ہی ہو۔ تم ہی اس کائنات کے مرکز اور غایتِ وجود ہو۔ شاعر کی نظر میں حضور ﷺ اللہ کی تخلیق کا مقصدِ اعلیٰ ہیں، جن کے واسطے دنیا و آخرت کا نظام قائم ہے۔ یہ شعر نبی کریم ﷺ کے مقامِ ختمِ نبوت، شانِ تخلیق اور عظمتِ مصطفیٰ ﷺ کا حسین بیان ہے۔

نظم جاوید کے نام

درج ذیل اشعار کی تشریح کریں

پہلا شعر

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نئے زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

تشریح:

اس شعر میں علامہ اقبال نوجوانوں اور بالخصوص مسلم قوم کے افراد کو ایک انقلابی پیغام دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں محض موجود ہونا کافی نہیں، بلکہ عشق (جذبہ، وفاداری، سچائی اور قربانی) کے میدان میں اپنا الگ مقام بنانا چاہیے۔ "دیارِ عشق" سے مراد وہ دنیا ہے جہاں انسان اپنی ذات سے بلند ہو کر کسی اعلیٰ مقصد کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ انسان دوسروں کی تقلید کرنے کے بجائے ایسا وقت، ایسا ماحول اور ایسے حالات پیدا کرے جو اُس کے اپنے نظریات اور روحانی اقدار کے مطابق ہوں۔ "نئے زمانے" اور "نئے صبح و شام" کا مطلب ہے کہ انسان خود تخلیق کار بنے، حالات کا غلام نہیں۔ انسان میں اتنی قوت ہونی چاہیے کہ وہ زمانے کو بدل دے، اس کے بہاؤ کو موڑ دے۔ اقبال کا پیغام ہے کہ اگر عشق میں سچائی ہو تو انسان نئی دنیا بسا سکتا ہے، نئی تاریخ رقم کر سکتا ہے۔

دوسرا شعر

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر

تشریح:

اس شعر میں علامہ اقبال فطرت (قدرت) کی خاموش زبان کو سمجھنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تجھے ایسا دل عطا کرے جو فطرت کی باریکیوں کو پہچان سکے، تو تو پھر فطرت کی خاموشی میں چھپی باتوں کو بھی سمجھنے کے قابل ہو جائے گا۔ "لالہ و گل" (پھولوں) کی خاموشی کو سن کر اُس میں سے کوئی پیغام اخذ کرنا، یہ صرف اسی دل کے بس کی بات ہے جو فطرت شناس ہو۔ یہاں اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جو کچھ کائنات میں بظاہر خاموش ہے، وہ بھی ایک خاص پیغام رکھتا ہے، لیکن صرف وہی انسان اُس پیغام کو سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں شعور، آگہی اور باطنی نظر ہو۔ یہ شعر دراصل غور و فکر، تدبر، اور باطنی علم حاصل کرنے کی دعوت ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ نوجوان صرف ظاہری علم پر اکتفا نہ کریں بلکہ قدرت کے سربستہ رازوں تک رسائی حاصل کریں اور خاموش اشیاء سے بھی معنی کشید کریں۔

:تیسرا شعر

اٹھانہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں

سفالِ ہند سے مے و جام پیدا کر

:تشریح

اس شعر میں علامہ اقبال مغرب کی تقلید اور اس کی تہذیب کے اثرات سے خبردار کر رہے ہیں۔ وہ نوجوان کو نصیحت کرتے ہیں کہ مغرب (فرنگ) کے شیشہ گروں یعنی دانشوروں، فلسفیوں اور تہذیبی معماروں کے احسانات کا بوجھ اپنے اوپر نہ لاد۔ یہاں "شیشہ گرانِ فرنگ" سے مراد وہ مغربی مفکرین ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنی تہذیب، علم اور فلسفے کے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ اقبال کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے بنائے ہوئے اصولوں پر نہیں چلنا چاہیے، بلکہ اپنی سر زمین (سفالِ ہند) سے اپنی مے و جام (یعنی اپنی تہذیب، اپنی فکریات، اپنی شناخت) کو پیدا کرنا چاہیے۔ اقبال خود انحصاری اور فکری آزادی کے قائل ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی تاریخ، اپنی روایات اور اپنی تہذیبی وراثت پر اعتماد کریں اور اپنی دنیا خود تعمیر کریں۔ یہ شعر تہذیبی خود مختاری، خود داری، اور فکری آزادی کا آئینہ دار ہے۔

::چوتھا شعر

میں شاخِ طاق ہوں، میری غزل ہے میرا ثمر"

"مرے ثمر سے میں لالہ فام پیدا کر

اس شعر میں اقبال اپنی شاعری اور اس کے اثرات کو علامتی انداز میں بیان کرتے ہیں۔ "شاخِ طاق" سے مراد ایسی شاخ ہے جو طاق میں رکھ دی گئی ہو، یعنی بظاہر بے جان اور غیر فعال، لیکن شاعر کہتا ہے کہ اُس کی غزل (شاعری) اُس کا "ثمر" یعنی پھل ہے۔ وہ اس شاعری سے ایسا اثر، ایسا رنگ، ایسی حرارت پیدا کرنا چاہتا ہے جو "لالہ فام" ہو، یعنی جوش، ولولہ، اور زندگی سے بھرپور ہو۔ اس شعر کا پیغام یہ ہے کہ بظاہر خاموش یا کمزور نظر آنے والے لوگ بھی اپنے فن کے ذریعے انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

:پانچواں شعر

میرا طریقِ امیری نہیں، فقیری ہے

خودی نہ بیچ، غریبی میں نام پیدا کر

:تشریح

یہ شعر اقبال کی روحانی فکر اور تصورِ خودی کا نچوڑ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کا راستہ امیری یا مادی دولت کا نہیں، بلکہ فقری یعنی روحانی بلندی، سادگی اور خود داری کا ہے۔ اقبال دنیا کی چمک دمک، دولت اور نمود و نمائش کو وقتی اور فانی سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اصل دولت "خودی" ہے، یعنی اپنے آپ کو پہچانا، اپنے مقام کو جاننا، اپنی انفرادی حیثیت کو سمجھنا۔ وہ نوجوان کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگرچہ تُو غریب ہو، لیکن اپنی خودی کو مت بیچ، یعنی اپنی عزت نفس، اصول، ایمان اور روحانی طاقت کو کسی قیمت پر قربان نہ کر۔ غریبی میں رہ کر بھی نام پیدا کیا جاسکتا ہے، عظمت حاصل کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ انسان اپنی خودی کا سودا نہ کرے۔ یہ شعر آج کے دور کے لیے بھی ایک بہت بڑا پیغام ہے کہ انسان کو ظاہری کامیابیوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اپنے باطن کی تعمیر کرنی چاہیے۔

میر تقی میر کی غزل کی تشریح کریں

یہ اشعار درد، فقر، عشق اور وفا جیسے گہرے جذبات سے لبریز ہیں۔ ان میں صوفیانہ رنگ، دل شکستگی، روحانی سفر اور قربانی کا پیغام چھپا ہے۔ ہر شعر ایک الگ پہلو کو بیان کرتا ہے

پہلا شعر

فقیر انا اے صدا کر چلے
میاں خوش رہو، ہم دعا کر چلے

تشریح:

اس شعر میں ایک فقیر (صوفی، درویش یا درد دل رکھنے والا شخص) اپنی بے نیازی اور روحانی مقام کا اظہار کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم اپنی "انا" (خودداری، خودی) کے ساتھ بلند آواز میں صدا دے کر، یعنی اپنے وجود کا اعلان کر کے، اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہ کسی شکوے یا گلے کے بغیر جا رہا ہے، بلکہ دوسروں کے لیے "دعا" چھوڑتا ہے۔ "میاں خوش رہو" ایک دل کی گہرائی سے نکلنے والی نیک خواہش ہے۔ یہاں "فقیر" اپنے خلوص، بے غرضی اور روحانی عظمت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ شعر قربانی، بے لوثی اور بلند ظرفی کی علامت ہے کہ کسی نے اگرچہ دکھ دیے، مگر فقیر شکایت نہیں کرتا، بلکہ دعا دے کر رخصت ہوتا ہے۔

دوسرا شعر

جو تجھ بن جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے

تشریح:

یہ شعر عشق و وفا کے گہرے جذبے کو بیان کرتا ہے۔ شاعر مخاطب سے کہتا ہے کہ ہم وہی لوگ تھے جو تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرتے تھے، جو دعویٰ کرتے تھے کہ "تیرے بغیر زندگی ناممکن ہے"۔ لیکن اب ہم اُس عہد کو سچ کر کے جا رہے ہیں۔ یعنی ہم نے تمہارے بغیر جینا سیکھ لیا، اور اب اُس درد کو قبول کر لیا۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جہاں محبوب سے جدائی کے بعد انسان ٹوٹنے کے بجائے اس جدائی کو اپنی قسمت سمجھ کر خاموشی سے قبول کرتا ہے۔ یہ وفا کی انتہا ہے کہ انسان اپنے وعدے کا بوجھ خود اٹھاتا ہے، محبوب پر الزام نہیں دھرتا۔ شعر میں ضبط، دکھ اور خاموشی سے کیے گئے عشق کی جھلک ہے۔

:تیسرا شعر

شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے

:تشریح

شاعر یہاں تقدیر، بیماری اور بے بسی کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہماری شفا (صحت، سکون یا بہتری) ہماری قسمت میں ہی نہیں لکھی تھی۔ مگر اس کے باوجود ہم نے اپنی حد تک، اپنی "مقدور" یعنی استطاعت کے مطابق، دوا لینے کی کوشش ضرور کی۔ اس شعر میں انسانی کوشش اور قبولِ تقدیر دونوں کا حسین امتزاج موجود ہے۔ شاعر نے ہمارے نہیں مانی، اپنی طرف سے مکمل جدوجہد کی، لیکن آخر کار یہ مان لیا کہ کچھ چیزیں ہمارے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ یہ ایک روحانی طرزِ فکر ہے کہ انسان کوشش تو کرے، مگر انجام کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دے۔

:چوتھا شعر

جیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق کے بندگی ہم ادا کر چلے

:تشریح

یہ شعر عبدیت، عبادت اور مکمل سپردگی کی عکاسی کرتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ہم زندگی بھر سجدے کرتے رہے، ہماری جبین (پیشانی) جھکتی ہی رہی، اور اسی طرح ہماری زندگی گزر گئی۔ ہم نے "حق" یعنی اللہ کی بندگی کا جو حق تھا، وہ ادا کر دیا۔ یہ ایک روحانی سفر کی تکمیل کا اعلان ہے۔ شاعر خود کو ایک بندہ مومن کے طور پر پیش کرتا ہے، جس نے دنیا کی رنگینیوں کو ترک کر کے سچے دل سے عبادت میں زندگی گزار دی۔ یہ شعر عبادت کی تسلسل، خلوص اور بندگی کی لذت کو ظاہر کرتا ہے۔ شاعر نہ گلہ کرتا ہے، نہ شکایت، بلکہ شکر کرتا ہے کہ اسے سجدے کی دولت ملی۔

:پانچواں (آخری) شعر

نہ دیکھا غم دوستاں، شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

:تشریح

اس شعر میں شاعر دوہری کیفیت کا اظہار کرتا ہے: ایک طرف دوسروں کے غم کو نہ دیکھ پانے کا افسوس، اور دوسری طرف اپنے دل کے داغ، اپنے درد کا ظہور۔ وہ کہتا ہے کہ شکر ہے، اگرچہ ہمیں دوسروں کے دکھ نہ دیکھنے کا موقع نہ ملا، لیکن ہم اپنا درد، اپنا زخم دنیا کو دکھا کر جا رہے ہیں۔ "داغ" یہاں عاشق کے دل کی حالت، درد یا قربانی کی علامت ہے۔ اس شعر میں خود شناسی، درد کی نمائش اور ایک داخلی کرب کا بیان ہے۔ شاعر کی یہ کیفیت گویا ایک ایسے شخص کی ہے جو خود زخموں سے چور ہو، اور دوسروں کے لیے کچھ نہ کر پانے پر افسوس کے ساتھ رخصت ہو۔ یہ ایک درد مند دل کی آخری صدائے شکر ہے۔